جنوبی ایشیا میں برطانوی نظام تعلیم
(British Education System in Sub-Continent)

تعارف (Introduction)

انگریز مؤرخین اور ذمہ داران حکومت اس بات کے معترف ہیں کہ مسلمانوں کے دور میں برصغیر میں تعلیم عام اور مفت تھی، معیار تعلیم بلند تھا اور تعلیمی سہولتیں وافر تھیں۔ سر تھامس منرو (Sir Thomas Munro) کی 25 جون 1822ء کی رپورٹ پہلی اہم دستاویز ہے جس میں اعتراف ہے کہ مدراس کے صوبے میں ہر پانچ سو افراد کی آبادی میں ایک سکول موجود تھا اور آبادی کے ایک تہائی لوگوں کو سکولوں کی سہولت دستیاب تھی۔ بمبئی میں تعلیم کی وسعت کے بارے میں آر۔ وی۔ پرولیکر (R.V. Prolekar) لکھتے ہیں کہ "ہندوستان میں پڑھے لکھے لوگوں کا تناسب اتنا ہی ہے جتنا یورپی ممالک میں ہے۔"

صوبہ بنگال اور بہار کی تعلیمی حالت کے متعلق سب سے زیادہ مفصل رپورٹ ایک عیسائی مبلغ ولیم آدم (William Adam) نے تیار کی۔ رپورٹ کے مطابق انگریزی حکومت کے آغاز کے وقت صوبہ بنگال اور بہار میں پانچ سے دس سال کی عمر کے بچوں کے لیے ایک لاکھ سکول موجود تھے جن میں پڑھنے لکھنے اور ابتدائی حساب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ پنجاب کے متعلق مسٹر آرنلڈ (Mr. Arnold) اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ "تعلیم یہاں عام ہے۔ مسلمان ہندو اور سکھ سبھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ البتہ اساتذہ سب مسلمان ہیں۔ بیشتر اساتذہ بغیر کسی معاوضہ کے تعلیم دیتے ہیں۔ یہ مدارس اوقاف کی آمدنی سے چل رہے ہیں۔ لڑکیوں کے لیے جداگانہ سکول ہیں"۔ سر ولیم ہنٹر (Sir William Hunter) نے ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق لکھا ہے کہ "ملک پر ہمارے قبضہ سے پہلے مسلمان نہ صرف سیاسی اعتبار سے بلکہ علمی اعتبار سے ہندوستان میں بڑی قوت رکھتے تھے۔ ان کا نظام تعلیم اعلیٰ درجہ کی ذہنی تربیت دیتا تھا اور یہ ہندوستان کے دیگر تمام تعلیمی نظاموں سے بدرجہا بہتر تھا۔"

ان مختلف رپورٹوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ انگریزوں نے جس وقت برصغیر پاک و ہند پر قبضہ کیا اس وقت مسلم نظام تعلیم اپنے عروج پر تھا۔ کوئی گاؤں ایسا نہ تھا جہاں کوئی مدرسہ موجود نہ ہو۔

انگریز برصغیر پاک و ہند میں تجارت کی غرض سے آئے اور بالآخر اس ملک کے حکمران بن گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے تجارت سے زیادہ ایک نمایاں سیاسی حیثیت اختیار کر لی۔ 1757ء میں جنگ پلاسی کے بعد یہ ایک حکمران طاقت بن کر ابھری۔ 1765ء میں مغل حکمران شاہ عالم نے بنگال، بہار اور اڑیسہ کا انتظام انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ یہیں سے برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں کی سیاسی اور تعلیمی حکمت عملی کا آغاز ہوتا ہے۔ کمپنی کی حکومت 1857ء تک قائم رہی۔ بعد ازاں 1858ء میں حکومت برطانیہ نے برصغیر کے تمام معاملات براہ راست خود سنبھال لیے۔ برصغیر پاک و ہند میں برطانوی راج 1947ء تک قائم رہا۔

اگر 1757ء سے لیکر 1947ء تک اس دور کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلی اور اہم بات یہ محسوس ہوتی ہے کہ کمپنی اور برطانوی حکومت کے ادوار میں تعلیمی نقطہ نظر سے کوئی فرق نہیں تھا بلکہ ایک تسلسل تھا۔ گو سیاسی حیثیت سے 1857ء ایک اہم موڑ ہے لیکن حکومتی پالیسی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ دوسری نمایاں بات یہ ہے کہ جو تعلیمی پالیسی کمپنی نے وضع کی تھی اس پر مکمل عمل برطانوی حکومت کے دور میں ہوا۔ اس لیے برصغیر کے لیے بنائی جانے والی انگریزوں کی تعلیمی حکمت عملی کو سمجھنے کے لیے

ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور کے فکری رجحانات کا بغور جائزہ لینا ضروری ہے۔

1- ایسٹ انڈیا کمپنی کا آغاز

سیاسی حیثیت سے یہ دور کشمکش، تصادم اور کمپنی کے غلبہ کا دور ہے۔ 1757ء میں جنگ پلاسی میں کامیابی اور بنگال پر قبضہ کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کا راج مسلسل پھیل رہا تھا اور یہ کمپنی پورے ملک پر قابض ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس لیے کمپنی نے برصغیر پاک و ہند کے لوگوں کی ذہنی تبدیلی کیلئے خصوصی طور پر تعلیم کے بارے میں دُوررس حکمت عملی تیار کرنے کو اولیت دی کیونکہ انہیں علم تھا کہ فوجی غلبہ تو ایک دن ختم ہو جائے گا لیکن ذہنی غلامی صدیوں تک قائم رہے گی جو صرف تعلیم کے ذریعے ہی ممکن تھی۔

اگرچہ 1765ء سے قبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرگرمیاں زیادہ تر تجارت تک محدود تھیں لیکن اس دوران میں بھی کمپنی نے عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بھرپور اور اہم اقدام کیے۔ اس مقصد کے لیے مقامی لوگوں کو بھرتی کیا گیا اور عیسائیت کی منظم تبلیغ کے لیے انہیں کمپنی کے خرچ پر عیسائیت کی تعلیم دلائی گئی۔ 1698ء میں کمپنی کے چارٹر کی تجدید کرتے وقت برطانوی پارلیمنٹ نے باقاعدہ طور پر ایک شق منظور کی جس کی رو سے کمپنی کے لیے یہ لازم قرار دیا گیا کہ وہ ہندوستان میں قائم اپنی تمام فیکٹریوں اور تجارتی جہازوں پر عیسائی مبلغین کا تقرر کرے اور حسب ضرورت عیسائیت کی تبلیغ کے لیے سکول قائم کرے۔

برصغیر میں کمپنی کے اقتدار میں عیسائی مشنریوں کی تعلیمی سرگرمیوں سے مقامی لوگوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی اور مسلمانوں نے پوری قوت کے ساتھ مشنری اداروں کی سرگرمیوں کے خلاف آواز اٹھائی جبکہ ہندوؤں نے بالعموم عیسائی مشنری تعلیمی اداروں کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں کے احتجاج کا یہ اثر ہوا کہ کمپنی کو اپنی تعلیمی پالیسی میں تبدیلی کرنا پڑی۔

اس دور میں ہندوستان میں کمپنی کی تعلیمی پالیسی کا بانی چارلس گرانٹ تھا۔ چارلس گرانٹ (Charles Grant) ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم تھا۔ بعد میں ایک عیسائی مشنری کے طور پر اس نے پورے ہندوستان کو عیسائی بنانے کی مہم کا آغاز کیا۔ اس نے ہندوستان کی تعلیمی اور اخلاقی حالت کو پست اور لوگوں کو جہالت کا مرقع قرار دیا اور برطانوی حکومت کو ہندوستانیوں کی تعلیم کی ذمے داری قبول کرنے کا مشورہ دیا تاکہ انہیں مغربی علوم کے ساتھ ساتھ عیسائیت کی تعلیم دی جاسکے۔ اس مقصد کے لیے انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے ساتھ انگریزی زبان وادب کو نصاب میں شامل کرنے کا کہا گیا۔ 1813ء کے بعد سے لے کر 1947ء تک برطانوی تعلیمی پالیسی میں چارلز گرانٹ کے ان تصورات کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اسی لیے چارلز گرانٹ کو برصغیر کے موجودہ تعلیمی نظام کا بانی کہا جاتا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس دور کی تعلیمی پالیسی سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:۔

i- مغربی علوم اور عیسائیت کے فروغ کے لیے مشنری اداروں کی بالواسطہ اور بلاواسطہ مدد اور سرپرستی کی جائے۔

ii مغربی تعلیم کے ساتھ ساتھ مشرقی علوم کو بھی جاری رکھا جائے تاکہ کاروبار حکومت میں فوری خلل واقع نہ ہو۔

iii- مشرقی علوم میں ادب کو بنیادی اہمیت دی جائے، مدرسوں اور پاٹھ شالاؤں کو قائم رہنے دیا جائے، اعلیٰ مذہبی اداروں کو مالی امداد دی جائے اور پنڈتوں اور مولویوں کو خطابات اور انعامات سے بھی نوازا جائے۔ بااثر ہندوستانیوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے ان کے بچوں کو اعلیٰ ملازمتیں دی جائیں۔

iv- ایسے نئے اداروں کا قیام عمل میں لایا جائے جو کمپنی کی پیدا ہونے والی نئی ضروریات کو پورا کر سکیں اور ان میں ایسے افراد تیار کیے جائیں جو ان کے نئے نظام کو کامیاب بنانے اور کمپنی کے استحکام میں معاون ثابت ہوں۔

اس دور کے جائزہ سے بظاہر یہ احساس ہوتا ہے کہ کمپنی تعلیمی معاملات میں غیر جانبدار تھی جیسا کہ مغربی مورخین نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن درحقیقت یہ ایسی تعلیمی حکمت عملی تھی جس کے باعث مقامی تعلیمی نظام سسک سسک کر اپنی موت آپ مر گیا اور کمپنی کے نظام تعلیم نے فطری رفتار کے ساتھ مکمل غلبہ اور تسلط حاصل کر لیا۔

کمپنی کی اس تعلیمی حکمت عملی کو برطانیہ کے مذہب پرست طبقہ نے عیسائیت سے غداری کے مترادف قرار دیا جس کے نتیجہ میں پارلیمنٹ نے 1813ء کا چارٹر ایکٹ پاس کیا۔ یہ قانون ہندوستان کی تعلیمی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے اس ایکٹ کی نمایاں دفعات یہ تھیں:۔

- i- تعلیم کمپنی کی ذمہ داری ہوگی اور اسے اپنے وسائل میں سے ایک لاکھ روپے ہندوستانیوں کی تعلیم کے لیے مخصوص کرے گی۔
- ii- تعلیم کے لیے مختص شدہ رقم باقاعدہ مغربی علوم کی اشاعت اور مشرقی علوم کے احیا اور مقامی اہل علم کی حوصلہ افزائی کے لیے خرچ کی جائے گی۔
- iii- تعلیم کا اولین مقصد اہل ہند تک عیسائیت کا پیغام پہنچانا ہوگا جس کے لیے مشنری اداروں کی سرپرستی کی جائے گی۔
- iv- مغربی علوم وسائنس کی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعے دی جائے گی۔

1813ء کا چارٹر ایکٹ ہندوستان میں انگریزی نظام تعلیم کے لیے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعد کے سالوں میں ہونے والا تمام تعلیمی ارتقا انھیں خطوط پر ہوا۔ اس ایکٹ کی رو سے مشنری تعلیم کو قانونی تحفظ فراہم کر دیا گیا اور یہ بات ہمیشہ کے لیے طے پا گئی کہ ہندوستان میں تعلیم کا مقصد مغربی علوم اور انگریزی زبان کے ذریعے اہل ہند کو عیسائیت کی طرف لے جانا ہے۔ اس مقصد کو آہستہ آہستہ اور خاموشی کے ساتھ مقامی نظام تعلیم کو ختم کر کے حاصل کیا جائے گا۔ یہ وہ فکری بنیاد تھی جس پر نئی برطانوی تعلیمی پالیسی استوار کی گئی اور جسے میکالے نے ترقی دے کر ایک نظام بنا دیا جس کا بنیادی مقصد ہندوستان میں اپنی حکومت کے لیے ملازمین کا حصول تھا۔

2- چارٹر ایکٹ (1813ء)

1813ء کے ایکٹ کے باعث مشنری تعلیمی اداروں کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ 53-1852ء میں تمام سرکاری سکولوں اور کالجوں میں صرف 30 ہزار طلبہ زیر تعلیم تھے جبکہ نئے قائم شدہ مشنری اداروں میں 3 لاکھ طالب علم تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ عیسائیت کو پورے نظام تعلیم میں سمو لیا گیا تھا اور ان میں ذریعہ تعلیم بھی انگریزی تھا جس کی نتیجے کے طور پر مقامی لوگوں کی بہت زیادہ تعداد نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔

لارڈ میکالے (Lord Macaulay) جو 1833ء میں سپریم کونسل کا ممبر اور پبلک انسٹرکشن کمیٹی کا سیکرٹری مقرر ہو کر ہندوستان آیا تھا، 2 فروری 1835ء کو گورنر جنرل کی کونسل کو پیش کی جانے والی اپنی یادداشت میں اس بات پر زور دیا کہ ہندوستان کے قدیم نظام تعلیم اور علم وادب کو ختم کر دیا جائے اور ہندوستانیوں کی جملہ معاشرتی ومعاشی برائیوں کے خاتمے کے لیے مقامی علوم کی بجائے یورپی علوم کو ہندوستان میں پڑھایا جائے۔ اس نے انگریزی زبان کو ذریعہ تدریس بنانے کی وکالت کی۔

میکالے نے 1813ء کے ایکٹ کی رو سے مشرقی علوم کی ترقی کے لیے دی جانے والی مالی امداد بند کرنے کی سفارش کی اور واضح طور پر کہا کہ تعلیم کا مقصد ایسی نسل تیار کرنا ہے جو مغربی افکار ونظریات کی ترجمان ہو اور جو رنگ ونسل کے اعتبار سے بلاشبہ ہندی ہو لیکن فکر ونظر اور سیرت واخلاق کے اعتبار سے خالص انگریزی ہو۔ میکالے کی ان سفارشات کی روشنی میں تیار ہونے والی تعلیمی پالیسی کو بینٹنگ ریزولیوشن (Benting Resolution) کہتے ہیں جسے 7 مارچ 1835ء میں منظور کیا گیا۔

اس ریزولیوشن کے اہم خدوخال یہ ہیں:۔

i- سرکاری تعلیم کا مقصد ہندوستان میں مغربی علوم وسائنس کا فروغ ہے۔

ii- آئندہ سے ملک کی سرکاری زبان فارسی کی بجائے انگریزی ہوگی۔

iii- ذریعہ تعلیم انگریزی ہوگا۔

iv- مشرقی علوم کی اشاعت پر آئندہ سے کوئی رقم خرچ نہیں کی جائے گی۔

تعلیم کا مقصد لوگوں کو سرکاری ملازمتوں کے لیے تیار کرنا، خاص طور پر نچلی سطح کے انتظامی عملہ کی فراہمی قرار پایا۔ میکالے کی یادداشت آئندہ برطانوی تعلیمی پالیسی کا رہنما اصول بن گئی جس کے نتیجے میں ہندوستان میں تعلیم کا نظام اپنی قومی اساس سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوگیا۔

1841ء میں تعلیم عامہ کمیٹی کو ختم کر کے اس کی بجائے 1842ء میں کونسل آف ایجوکیشن قائم کر دی گئی۔ 1844ء میں لارڈ ہرڈنگ (Lord Hurding) نے واضح طور سے اعلان کر دیا کہ سرکاری ملازمت کے لیے ان افراد کو ترجیح دی جائے گی جو سرکاری سکولوں کے تعلیم یافتہ ہوں گے۔ یوں سرکاری ملازمت کا حصول تعلیم کا مقصد بن گیا۔

اس دور میں انگریزوں کی تعلیمی حکمت عملی کا ایک پہلو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان امتیاز وتفریق کا آغاز تھا۔ ہر ممکن کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کو ہر میدان میں آگے بڑھایا جائے۔ مسلمانوں کے تعلیمی نظام کو ختم کرنے کے لیے ملازمتوں کے لیے اخبارات میں دیے جانے والے اعلانات میں بھی یہ لکھ دیا جاتا تھا کہ صرف ہندوؤں کو ملازم رکھا جائے گا۔

تعلیمی نقطۂ نظر سے یہ دور سر چارلس ووڈ (Sir Charles Wood) کے 1854ء کے ڈسپیچ (Despatch) (مراسلہ) پر اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس ڈسپیچ نے جدید تعلیم کے مقاصد کو قانونی شکل دی۔ اسے منظم کرنے کا طریقہ کار وضع کیا، انگریزی کو مستقل ذریعہ تعلیم کی حیثیت دے دی گئی اور ہندوستان میں یونیورسٹیوں کے قیام کی منظوری دی۔

سیاسی اعتبار سے یہ دور مسلمانوں کے لیے مصائب وآلام کا دور تھا اور وہ اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہے تھے۔ تعلیمی میدان میں یہ زمانہ مسلمانوں کے لیے مایوسیوں کا زمانہ تھا۔ ان کا تعلیمی نظام ختم کر دیا گیا تھا۔ ان کے تمام مدارس غیر تسلیم شدہ قرار دے دیے گئے۔ عام اور مفت عوامی تعلیم کا دور ختم ہوگیا۔ تعلیم کو قابل فروخت چیز بنا دیا گیا۔ جہاں صرف صاحب ثروت لوگ ہی تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔

1813ء سے 1854ء تک کے دور کے اہم تعلیمی واقعات کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

i- 1815ء میں سرکاری سطح پر بمبئی ایجوکیشن سوسائٹی قائم کی گئی۔

ii- 1816ء میں 'کلکتہ ودیالیا' کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا گیا۔ جس کو 1819ء میں کالج بنا دیا گیا۔ یہ ہندوستان کا پہلا گورنمنٹ کالج تھا۔ یہاں کا ذریعہ تدریس انگریزی مقرر کیا گیا۔

iii- 1823ء میں تعلیم عامہ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا اور ہندی زبان کے فروغ کے لیے آگرہ میں تعلیمی ادارہ کھولا گیا۔

iv- 1828ء میں گورنر جنرل ولیم بنٹنگ (William Bunting) نے مسلم مدارس کے اوقاف ضبط کرنے کا حکم دیا۔

v- 1836ء میں نئی طرز پر ہگلی کالج کلکتہ اور میڈیکل کالج کلکتہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔

vi- 1844ء میں ہندو کالج کلکتہ میں انجینئرنگ کی کلاسیں شروع کی گئیں۔

vii- 1847ء میں انجینئرنگ کالج رڑکی قائم کیا گیا۔

3-ووڈ ڈسپیچ (1854ء)

اس دور کا نقطۂ آغاز ووڈ ڈسپیچ (وڈ کا مراسلہ) ہے۔ 1853ء سے قبل برطانوی پارلیمنٹ کی ایک کمیٹی نے ہندوستان میں سرکاری تعلیمی پالیسی کا تفصیلی جائزہ لیا جسے چارلس ووڈ (Charles Wood) نے اپنے مشہور مراسلے کی شکل میں 1854ء میں کمپنی کو ارسال کیا۔

ووڈ ڈسپیچ میں سنسکرت اور عربی کی تعلیم کی واضح مخالفت نظر آتی ہے۔ اس کی اصل روح وہی میکالے کا نظریہ ہے جس میں مغربی علم وادب کی بالادستی کا تصور پایا جاتا ہے۔ میکالے (Macaulay) کی طرح اس ڈسپیچ میں بھی مشرقی علم وادب کو غلطیوں کا مرقع قرار دیا گیا تھا۔ مقامی زبانوں کو انگریزی کے ساتھ ساتھ ذریعہ تعلیم بنانے کی حمایت تو کی گئی تھی لیکن ان زبانوں کو جدید علم کے ''اخذ وترجمہ اور تدریس'' کے معاملے میں نااہل قرار دے دیا گیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر سے ایسٹ انڈیا کمپنی ختم کر دی گئی تھی اور حکومت برطانیہ براہ راست ہندوستان پر حکمرانی کر رہی تھی۔ برصغیر کے ہندوؤں نے خود کو برطانوی حکمرانوں کے ساتھ کلی طور پر ہم آہنگ کر لیا تھا۔ وہ مسلمانوں پر فوقیت حاصل کرنے کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ دوسری طرف برطانوی حکومت کی پوری کوشش تھی کہ مسلمانوں کو اتنا دبا دیا جائے کہ پھر کبھی نہ اٹھ سکیں۔ تعلیمی نقطہ نظر سے یہ زمانہ ووڈ ڈسپیچ کو عملی جامہ پہنانے کا زمانہ ہے۔ اس کے اہم خدوخال یہ ہیں:۔

i- ہر صوبے میں تعلیم کا محکمہ قائم کیا جائے گا جس کا سربراہ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن ہوگا۔ اس کی مدد کے لیے مناسب تعداد میں انسپکٹر مقرر کیے جائیں گے جو گورنمنٹ کے خرچ پر یا امداد سے چلنے والے سکولوں اور کالجوں کا ہر سال معائنہ کیا کریں گے۔

ii- محکمہ تعلیم صوبے کی تعلیمی ترقی کے لیے ضروری اقدامات کے سلسلے میں، سالانہ رپورٹیں تیار اور تعلیمی اعداد وشمار شائع کرے گا۔

iii- لندن یونیورسٹی کی طرز پر ملک میں یونیورسٹیاں قائم کی جائیں گی۔ 1857ء میں بمبئی، کلکتہ اور مدراس میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ پنجاب یونیورسٹی 1882ء میں لاہور میں قائم ہوئی۔ شروع میں یونیورسٹیاں صرف امتحان لینے والے ادارے تھیں۔ بعدازاں ان کو تدریسی درجہ دے دیا گیا۔

iv- گرانٹس ان ایڈ (Grants in Aid) کا نظام رائج کیا جائے گا تاکہ حکومت کے علاوہ دوسری ایجنسیاں بھی انگریزی تعلیم پھیلانے میں مدد دے سکیں۔ گرانٹ صرف انہیں اداروں کو ملے گی جن میں (الف) سیکولر تعلیم دی جائے گی۔ (ب) انگریزی ذریعہ تعلیم ہوگی۔ (ج) انسپکٹر کو معائنہ کرنے کی اجازت ہوگی۔ (د) گرانٹ کی مقرر کردہ شرائط پوری کی جائیں گی۔

v- انگلستان میں قائم تربیت اساتذہ کے اداروں کی طرز پر برصغیر میں اساتذہ کی تربیت کے لیے ادارے قائم کیے جائیں گے اور زیر تربیت اساتذہ کو تعلیم کے لیے وظائف دیے جائیں گے۔

vi- قانون، طب اور انجینئرنگ کے شعبوں میں بھی تربیت کا اہتمام کیا جائے گا۔

vii- تعلیم نسواں کو یکساں اہمیت اور سرپرستی دی جائے گی۔

viii- سرکاری اداروں میں مذہبی تعلیم نہیں دی جائے گی۔

یونیورسٹیوں کے قیام سے ہندوستان میں مغربی طرز کا تعلیمی نظام قائم ہوگیا۔ پرائمری، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے درمیان ایک تدریجی ربط پیدا کرنے کی کوشش کی گئی جس کا فائدہ یہ ہوا کہ پورا نظام مربوط ہوگیا لیکن سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ثانوی تعلیم طالب علموں کو آئندہ زندگی کے لیے تیار کرنے کی بجائے یونیورسٹیوں میں داخلہ کا ذریعہ بن کر رہ گئی اور اس طرح نظام تعلیم ملک کے

حالات اور ضروریات سے کٹ کر رہ گیا۔ گرانٹس ان ایڈ کے ذریعے پرائیویٹ سکول اور کالج بھی محکمہ تعلیم کے کنٹرول میں آ گئے اور اس طرح حکومت کی تعلیم پر گرفت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

4- سارجنٹ رپورٹ (Sergeant Report)

حکومت برطانیہ نے 1944ء میں ہندوستانیوں کے لیے ایک نئی تعلیمی سکیم تیار کی جس کو سارجنٹ رپورٹ کہا جاتا ہے۔ اس سکیم کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

i- چودہ برس تک کی عمر کے تمام بچوں کے لیے تعلیم مفت اور لازمی ہوگی۔

ii- چھ برس تک کی عمر کے بچوں کے لیے سرکاری مدارس میں تربیت یافتہ اساتذہ کی زیرِ نگرانی نرسری کلاسیں کھولی جائیں گی۔

iii- سات سے گیارہ سال کی عمر کے بچوں کو دی جانے والی تعلیم کو پرائمری تعلیم کا نام دیا گیا۔

iv- بارہ سے سولہ سال کی عمر تک ہائی سکول کی تعلیم مہیا کی جائے گی۔

v- ٹیکنیکل اور تجارتی تعلیم کا انتظام کرنا بھی سکیم کا حصہ بنایا گیا۔

vi- تعلیم بالغاں اور سرکاری کتب خانوں کو بہتر بنانا بھی سکیم میں شامل کیا گیا۔

vii- اساتذہ کی تربیت کا معقول انتظام اور ملازمت کے قواعد کو بہتر بنانا۔

viii- طلبہ کی جسمانی تربیت، اُن کا طبی معائنہ اور ضرورت کے مطابق علاج۔

ix- ذہنی اور جسمانی طور پر معذور بچوں کے لیے بھی تعلیمی سہولیات مہیا کرنا۔

x- بچوں کے لیے سماجی اور تفریحی مشاغل کا انتظام کرنا بھی سارجنٹ سکیم میں شامل تھا۔

xi- رپورٹ میں بچوں کی زیادہ سے زیادہ عملی تعلیم پر زور دیا گیا تھا تاکہ بچے آئندہ زندگی میں مناسب پیشہ اختیار کر سکیں۔

بنیادی تعلیم مکمل کرنے والے طلبہ میں سے صرف ذہین بچوں کو ہائی سکولوں میں داخلے کا حق دیا گیا تھا۔ اس طرح ہائی سکولوں میں تعلیم پانے والے طلبہ کی تعداد کل طلبہ کی تعداد کا صرف 20 فیصد رہ گئی۔ طلبہ سے ہائی سکول کی تعلیم کے لیے فیس لی جاتی تھی جبکہ 50 فیصد ذہین، مستحق اور غریب طلبہ کے لیے وظائف دینے کا اعلان کیا گیا۔

ہائی سکولوں کی دو قسمیں تھیں:

i- عمومی ہائی سکول ii- ٹیکنیکل ہائی سکول

عمومی سکولوں میں آرٹ اور سائنس کی تعلیم دینا مقصود تھا جبکہ ٹیکنیکل سکولوں میں صنعتی، تجارتی اور پیشہ ورانہ مضامین اور مہارتوں کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان سکولوں میں سائنس کا مضمون لازمی تھا۔ اس کے علاوہ لکڑی، پتھر اور دھات کے کام کی تعلیم کا انتظام تھا۔

برصغیر میں برطانوی نظامِ تعلیم کی خصوصیات

برطانوی تسلط کے تحت برصغیر میں قائم شدہ نظامِ تعلیم اور اس کے ارتقاء کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ انگریزوں کا قائم کردہ یہ نظام بنیادی طور پر مقامی نظامِ تعلیم مسلمانوں کے اس نظامِ تعلیم کو ختم کرنے کی کوشش تھی جو مسلمان حکمرانوں کے دور سے ہندوستان میں رائج تھا۔ جس میں تعلیم عام اور مفت تھی، تعلیمی ادارے مالی طور پر آزاد، خودمختار اور علمی طور پر حکومتی اثرات سے آزاد تھے۔

برطانوی نظامِ تعلیم اپنی اساس اور طریق کے لحاظ سے مقامی نظامِ تعلیم خصوصاً مسلمانوں کے تعلیمی ورثہ کے خلاف تھا۔ کمپنی کے

اولین سالوں میں تبلیغ عیسائیت کے حوالے سے عیسائی مشنریوں کا تعلیم میں براہ راست عمل دخل بعد میں سیاسی حالات کی بنا پر بالواسطہ انداز میں جاری رہا۔ سکولوں کے نصاب میں بظاہر عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ تو شامل نہ تھی لیکن عملی طور پر تعلیمی پالیسیوں میں مغربی علوم وفنون، تہذیب وثقافت اور کلچر کی ترویج کو ہی مرکزی اور نمایاں مقام حاصل رہا، اگرچہ بعض ادوار میں ایسی کئی حکومتی پالیسیاں بھی وضع کی گئیں جن میں مقامی نظام تعلیم اور زبانوں کے بارے میں مثبت رویے اختیار کیے گئے لیکن ان میں سے کسی ایک پر بھی مکمل طور پر عمل نہیں ہو سکا۔ یہی سبب ہے کہ قیام پاکستان کے مرحلے تک پہنچتے پہنچتے برصغیر کا نظام تعلیم اپنے اصل سے بالکل کٹ گیا۔ لہٰذا 1947ء میں جو نظام تعلیم پاکستان کو ورثے میں ملا وہ کسی طرح سے بھی ایک نظریاتی مملکت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا تھا اور نہ ہی اسلام کے تعلیمی نظام سے مطابقت رکھتا تھا۔ اگلی سطور میں برصغیر میں برطانوی نظام تعلیم کی خصوصیات کا عمومی جائزہ پیش ہے۔

1- مقاصد تعلیم

برصغیر پر برطانوی حکمرانی ایک استعماری قوت کا قبضہ تھا۔ اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے انگریزوں نے ہر وہ طریقہ استعمال کیا جس کے ذریعے وہ مقامی لوگوں پر زیادہ سے زیادہ عرصے کے لیے غالب رہ سکیں۔ تاجر کی حیثیت سے آنے والی یہ قوم فاتح بن کر ہندوستان کی قسمت کی مالک بن گئی۔ برطانوی حکومت نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے محکوم ہندوستانیوں کو ایسے نظام تعلیم سے روشناس کروایا جس نے ان کو غلامی میں ایسا پختہ کار بنا دیا کہ آزادی حاصل کر لینے کے بعد بھی برصغیر کے لوگ انگریز کی ذہنی غلامی سے چھٹکارہ نہیں پا سکے۔ یہ سب اس نظام تعلیم ہی کے باعث ممکن ہوا جو انگریزوں نے برصغیر کے لوگوں کے لیے خاص طور پر شروع کیا۔ برصغیر کا یہ نظام تعلیم برطانیہ میں رائج نظام تعلیم سے بالکل مختلف تھا۔ ظاہر ہے انگلستان میں جاری نظام تعلیم کا مقصد ایک آزاد قوم کی تشکیل جبکہ برصغیر میں قائم نظام تعلیم کا مقصد محکوم قوم پیدا کرنا تھا۔ کیونکہ انگریزوں کو ہندوستان میں حکومتی کام چلانے کے لیے نچلے درجے کے اہلکاروں کی ضرورت تھی جبکہ افسران برطانیہ ہی سے آتے تھے۔ اس نظام تعلیم کا اولین مقصد حکومت برطانیہ کے لیے وفادار ملازمین کی فراہمی تھا لیکن اس کا دوسرا اہم مقصد ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ تھا۔ جس کے لیے خاص طور پر نچلی ذات کے ہندوؤں کو ہدف بنایا گیا۔

2- نصاب تعلیم

اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ضروری تھا کہ انگریز برصغیر کے مقامی تعلیمی نظام کو غیر موثر بناتے۔ لہٰذا انہوں نے ملازمتوں کو حکومت کے منظور کردہ ان تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل افراد کے لیے مخصوص کر دیا جن کا نصاب حکومت کی طرف سے متعین تھا جس میں انگریزی زبان وادب اور مغربی علوم وفنون شامل تھے۔ ان میں زیادہ تر مشنری ادارے تھے جو عام طور پر گرجا سے متصل ہوتے تھے۔ ان میں صلیب نمایاں مقام پر نصب ہوتی تھی۔ اساتذہ پادری تھے جو مخصوص لباس پہنتے تھے۔ غرض تعلیمی اداروں کا پورا ماحول مسیحی ہوتا تھا جہاں عیسائیت کی تعلیم لازمی تھی۔ تعلیم میں سیکولر پالیسی سے مراد یہ تھی کہ عیسائیت کے سوا کسی بھی دوسرے مذہب کو نظام تعلیم میں کوئی دخل نہیں تھا۔

i- انگریزی

برطانوی نظام تعلیم کے تحت ہندوستان کے تعلیمی اداروں کے نصاب میں انگریزی زبان وادب کی تدریس کو سب سے زیادہ

اہمیت دی جاتی تھی۔ انگریزی کو تیسری جماعت سے بی۔اے تک لازمی زبان کی حیثیت حاصل تھی۔ سب سے زیادہ وقت انگریزی کی تدریس کے لیے مختص تھا، انگریزی کے استاد کو سب سے زیادہ پروقار مقام حاصل تھا، ملازمتیں بھی صرف انگریزی جاننے والوں کو ہی ملتی تھیں۔ یوں بچوں کی پوری تعلیمی زندگی میں انگریزی ذہنوں پر مسلط رہتی تھی۔

ii- تاریخ

ان تعلیمی اداروں کے نصاب میں برصغیر کی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے دور کی اچھی باتوں کو بھی غلط انداز میں لکھا گیا۔ تاریخی واقعات کی تشریح انگریزوں کے نقطۂ نظر سے کی گئی۔ یورپ اور خصوصاً انگلستان کی تاریخ کو اس طرح پڑھایا جاتا تھا کہ طلبہ احساس کمتری میں مبتلا ہو کر انگریزوں کو برتر مان لیں اور ہندوستان میں ان کی آمد ایک مہذب قوم کے طور پر تصور کی جائے۔ خاص طور سے ہندوؤں کو مسلمانوں سے متنفر کرنے کے لیے تاریخی واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا۔

iii- معاشیات

معاشیات جیسے بامقصد اور عملی مضمون کے نصاب کو یوں مرتب کیا گیا کہ انسان کی زندگی کا مقصد صرف پیسہ رہ گیا تھا اور اس کی زندگی ایک معاشی حیوان سے زیادہ کچھ نہ رہی۔ مغربی معاشی تصورات کے مطابق انسان انتہائی خودغرض ہے جو ہر وقت مادی فائدے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ سود، ذخیرہ اندوزی سب پیسہ کمانے کے طریقے ہیں جن میں کوئی اخلاقی قباحت نہیں۔ معاشیات کا یہ نصاب بنیادی طور پر اسلامی تصورحیات کے خلاف تھا۔

vi- سیاسیات

سیاسیات کے مضمون کا نصاب بھی اسلامی تصورات سے متصادم تھا۔ جمہوریت کے مغربی تصور میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کے اسلامی نظریے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ عوام کی حاکمیت کا تصور مسلمانوں کے نزدیک سراسر بے دین تصور تھا۔ اس لیے نصاب کا یہ حصہ بھی مغربی فکر کو فروغ دینے کا باعث تھا۔

v- سائنس

تعلیمی اداروں میں پڑھائی جانے والی سائنس کے نصاب سے طلبہ میں نئی چیزوں کی تلاش کی صلاحیت پیدا نہ ہوتی تھی بلکہ الٹا وہ کائنات کی تخلیق وانتظام کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ عربی، فارسی اور مذہب کو نصاب سے بالکل خارج کر دیا گیا اور اُردو کو بھی صرف پرائمری مدارج کے نصاب تک محدود کر دیا گیا۔ اس طرح اہل ہند کو ان کے تمدن سے کاٹ دیا گیا۔

3- نظام امتحان

انگریزوں کے ہندوستان پر قبضے سے قبل برصغیر میں مسلمانوں کا نظام تعلیم رائج تھا۔ اس نظام کا بنیادی مقصد تعمیر کردار، اچھے انسان پیدا کرنا تھا۔ استاد جو اس نظام کا مرکزی کردار تھا، نہایت اعلیٰ مقام رکھتا تھا اور وہ ایک رول ماڈل کی حیثیت سے علم وکردار کا اعلیٰ نمونہ طلبہ کے سامنے پیش کرتا تھا اور طلبہ کی علمی نشوونما کے ساتھ ساتھ ان کے کردار کی تربیت بھی کرتا تھا لیکن انگریزوں نے استاد کو بھی ایک عام سرکاری ملازم بنا کر رکھ دیا۔ اسے اس اعتماد کا اہل بھی نہ سمجھا گیا کہ اس کی رائے سے طالب علم کے اکتساب کا معیار مقرر کیا جاتا۔

اس کی بجائے انھوں نے تحریری امتحانات کا ایک ایسا نظام رائج کیا جس میں آج بھی استاد کو کوئی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اس کو علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کس طالب علم کے رویوں اور کردار کے بارے میں جائزہ پیش کر رہا ہے۔ طالب علم کو تربیت اور کردار سے غرض نہیں تھی بلکہ اس کا تعلق صرف نمبر حاصل کرنے تک محدود ہو گیا۔ پاس ہونے والوں کی درجہ بندی کے لیے درجہ اول، درجہ دوم یا سوم کا تعین کیا جانے لگا۔ رفتہ رفتہ ان امتحانوں میں بدعنوانیوں کا عمل دخل بڑھتا گیا لیکن سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ نصاب امتحان کے تابع ہو گیا جبکہ نصاب اور تدریس کا اصل مقصد صرف معلومات وتصورات کو یاد کرنا نہیں بلکہ ان کا اطلاق اور رویوں کی تشکیل تھا جس کی جانچ کا انگریزوں کے نظام امتحان میں کوئی انتظام ہی نہ تھا۔ اقدار کے تحفظ اور رویوں کی تشکیل کو چونکہ امتحان کے نظام میں کوئی اہمیت حاصل نہ تھی اس لیے عملی تدریس کے اعتبار سے یہ نظام باکردار، باعمل اور تربیت یافتہ افراد پیدا کرنے میں ناکام رہا۔

جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی تعلیمی تحریکات

قیام پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کی مسلسل جدوجہد اور بے شمار لازوال قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ 1757ء میں جنگ پلاسی سے لے کر 1947ء میں قیام پاکستان تک کا دور غلامی ومشکلات کا دور تھا لیکن ساتھ ہی یہ جہد مسلسل کا دور بھی تھا جس میں وطن کی آزادی کے لیے سیاسی، معاشرتی، مذہبی اور تعلیمی تحریکوں نے اہم کردار ادا کیا۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ برصغیر میں مسلمانوں کی ہر سیاسی کوشش کے پیچھے کسی نہ کسی مذہبی، نظریاتی یا تعلیمی تحریک کا اہم کردار رہا ہے۔

1757ء میں بنگال پر انگریزوں کے حملے کے بعد سے مسلمانان برصغیر اپنی آزادی کے لیے مسلسل کوششیں کرتے رہے۔ جنگ پلاسی میں نواب سراج الدولہ، میسور کی جنگوں میں فتح علی خان ٹیپو اور پھر احمد شاہ ابدالیؒ کی کوشش اور سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد اور پھر 1857ء کی جنگ آزادی انہیں کوششوں کا حصہ ہیں۔

اٹھارھویں صدی کے اسی دور غلامی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات اور تعلیمی تحریک نے بھی مسلمانوں میں اخلاقی، دینی اور سیاسی شعور بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب اور سچ ہوگا کہ ہندوستان میں شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمی تحریک کے بعد کی تمام تعلیمی تحریکیں براہ راست یا بالواسطہ طور پر اسی تحریک کا تسلسل تھیں۔ شاہ ولی اللہؒ کے دور میں اگرچہ انگریز براہ راست ہندوستان کے حکمران نہیں تھے لیکن مسلمان بطور قوم زوال کا شکار تھے۔ ان میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ حکمران باہمی اختلافات کا شکار تھے لیکن اس کے باوجود ایک مربوط اور موثر نظام تعلیم کام کر رہا تھا۔ 1857ء میں ہندوستان پر غلبہ پانے کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کے نظام تعلیم کو اپنے مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے منسوخ کر دیا۔ ہر وہ قدم اٹھایا اور ہر وہ فیصلہ کیا جس سے مسلمانوں کے نظام تعلیم کو ناکام بنایا جا سکتا تھا۔ انہوں نے تعلیمی اداروں سے منسلک اوقاف پر قبضے کر لیے۔ عربی اور فارسی زبان پر پابندی لگا دی۔ ملازمتیں صرف سرکاری اور مغربی تعلیم حاصل کرنے والے لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں۔ اس ساری صورت حال سے سب سے زیادہ فائدہ ہندوؤں نے اٹھایا۔ انہوں نے مغربی تعلیم حاصل کی۔ سرکاری پالیسیوں کو اپنایا۔ انگریزوں کا مسلسل ساتھ دیا جس کے باعث ہندوستان کی معاشی اور معاشرتی زندگی میں انھیں انگریزوں کی سرپرستی حاصل رہی اور مختلف ملازمتیں حاصل کرنے کے بعد وہ مسلمانوں سے کہیں زیادہ اچھی حیثیت اور مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ ساری صورت حال مسلمانوں کے لیے پریشان کن تھی۔ ان کے ایک طبقے کی رائے تھی کہ مسلمانوں کو موجودہ حالات سے سمجھوتہ کرتے ہوئے مغربی تعلیم حاصل کرنا چاہیے اور انگریزوں کے نظام تعلیم سے استفادہ کرتے ہوئے مستقبل میں سیاسی آزادی

کے لیے کوشش کرنا چاہیے کیونکہ وقت کے ساتھ نہ چلنے کے باعث آنے والے وقت میں کامیابی مشکوک ہوجانے کے امکانات تھے۔ مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی تھا جس کے لیے مغربی افکار اور انگریزی تعلیم ناقابل قبول تھی اور وہ اب بھی مسلمانوں کے تعلیمی ورثے کو اہم تصور کرتا تھا اور اسی میں مسلمانوں کی بہتری اور ترقی سمجھتا تھا۔ مسلمانوں کے پہلے طبقے کی نمائندہ تحریک علی گڑھ اور دوسرے گروہ کی نمائندہ تحریک دیوبند تھی۔ اگرچہ دونوں تحریکیں دو مختلف نقطہ نظر رکھتی تھیں اور بعض معاملات پر متفق بھی نہ تھیں لیکن دونوں خلوص دل سے برصغیر ہندوپاک میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اور عروج کو اپنا نصب العین سمجھتی تھیں۔

ان دونوں علمی تحریکوں نے برصغیر کی سیاسی زندگی پر اہم اثرات مرتب کیے جو قیام پاکستان کے بعد بھی کسی نہ کسی انداز میں جاری ہیں۔ خصوصاً نظام تعلیم کی تشکیل نو میں ان کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔ ان تحریکوں کا مفصل جائزہ ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔

تحریک دیوبند

پس منظر

ہندوستان میں برطانوی قبضے کے بعد جب انگریزوں نے نئے نظام تعلیم کا نفاذ کیا تو ہندوؤں نے بہت جلد اس کو قبول کرلیا کیونکہ اس سے انھیں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا پہلے ان کا مفاد عربی اور فارسی کی تعلیم سے منسلک تھا اب اپنے مقاصد کے حصول کے لیے انھوں نے انگریزی تعلیم کو اپنانا شروع کردیا۔ مسلمانوں کا معاملہ ان سے بہت مختلف تھا وہ نئی صورت حال کو ذہنی طور پر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے اس طرح ان کی تہذیبی اقدار اور علمی روایات ختم ہوجائیں گی۔ ان کو خطرہ تھا کہ نیا تعلیمی نظام مسلمانوں کو الحاد اور مغرب پرستی کی طرف لے جائے گا۔ وہ خیال کرتے تھے کہ اس صورت حال میں دینی علوم کا تحفظ اشد ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کی تعلیم و تربیت صحیح اسلامی خطوط پر کی جاسکے اور ان کو مغربی افکار اور بے دینی کی یلغار سے مقابلہ کے لیے تیار کیا جاسکے۔ اس مقصد کے لیے کوئی لائحہ عمل بنانے کے لیے مسلمان علماء اور اکابرین سہارن پور (یو۔ پی) کے قصبہ دیوبند کی مسجد چھتہ میں مشاورت کے لیے اکٹھے ہوتے تھے۔ جہاں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کے ساتھی علما مقیم تھے۔ آخر 20 مئی 1866ء کو مولانا نانوتویؒ نے سہارن پور کے قصبے دیوبند میں ایک مدرسے کا آغاز کیا۔ مولانا نانوتوی" مولوی مملوک کے شاگرد تھے جو شاہ ولی اللہؒ کے تعلیمی مکتب فکر کے پروردہ تھے اور سید احمد شہیدؒ کی تحریک مجاہدین میں شامل رہے تھے۔ اس طرح تحریک دیوبند شاہ ولی اللہؒ کے نظریات ہی کا ایک تسلسل تھی۔ دارالعلوم کے پہلے سربراہ مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ اور اولین شاگرد مولانا محمود الحسنؒ تھے۔

پہلے 9 سال تک مدرسہ بالکل ابتدائی حالت میں رہا۔ 1876ء میں نئی تعمیرات کے بعد آہستہ آہستہ ایک بڑے دارالعلوم اور علمی مرکز میں تبدیل ہوا۔ دارالعلوم حکومت سے مکمل لاتعلقی کے بنیادی اصول پر قائم ہوا تھا۔ بانی دیوبند نے اس کی بے سروسامانی کو توکل اور رجوع اللہ کا سبب قرار دیا۔ مستقل ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے عام مسلمانوں سے رابطہ قائم کیا گیا۔ جس سے دارالعلوم کا تعارف دور دور تک پھیلا اور اس کے ہمدردوں اور شاگردوں میں بیرون ملک تک اضافہ ہوگیا۔

تحریک دیوبند کے اسباب

مندرجہ ذیل اسباب تحریک دیوبند کے شروع کرنے کا محرک تھے:۔

i- اسلام کا احیا

برصغیر میں مسلمانوں کی دینی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح، بدعات کے خاتمے اور اصلاح اخلاق کے لیے مختلف تحریکیں برپا

ہوئیں۔ان تمام کا بنیادی مقصد دین کا احیا، اسلام اور اسلامی علوم کی اشاعت وتحفظ کا جذبہ تھا۔اسی لیے انہوں نے اپنا الگ نصاب تعلیم بھی مرتب کیا جو وقت کے تقاضوں کے مطابق تھا۔دیوبند بھی ایسی ہی ایک تحریک تھی۔

ii- تبلیغ اسلام

عیسائی پادری اور مشنری ادارے 1857ء کے بعد مسلمانوں کے نظام تعلیم کو تباہ کرنے کے ساتھ ساتھ سرکاری سرپرستی میں کھلم کھلا عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کر رہے تھے۔اس صورت حال میں ایسے مسلمان علما تیار کرنا بہت ضروری تھا جو تبلیغ اسلام اور عیسائیت کی تردید کا فریضہ انجام دے سکیں۔تحریک دیوبند نے ایسے علما کی تیاری کا فریضہ بطریق احسن انجام دیا۔

تحریک دیوبند کی خصوصیات

یہ عظیم علمی تحریک مندرجہ ذیل خصوصیات کی وجہ سے ایک امتیازی شان کی حامل ہے:۔

i- برصغیر کی مختلف تعلیمی روایات میں توازن

برصغیر کے اہم اسلامی تعلیمی ادارے مختلف اسلامی علوم کی تدریس میں تخصیص رکھتے تھے۔یہ ادارے معقولات، منقولات اور علم الکلام کے حوالے سے الگ الگ رجحان اور خصوصی تشخص کے حامل تھے۔دارالعلوم دیوبند میں علم کے ان تینوں پہلوؤں میں توازن قائم کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی جس سے دیوبند برصغیر کے مسلمانوں کی مجموعی سوچ اور اسلامی تعلیمی روایت کا نمائندہ ادارہ بن گیا۔

ii- دینی تعلیم کا تحفظ

دیوبند کے قیام کا بنیادی مقصد دینی علوم اور اسلامی تعلیمات کا تحفظ تھا۔دارالعلوم دیوبند نے یہ خدمت بطریق احسن انجام دی اور بہت جلد یہ ادارہ دنیائے اسلام میں دینی علوم کی ترویج واشاعت کا مرکز بن گیا۔یہاں سے ہزاروں علماء اور طلبہ فارغ التحصیل ہو کر نکلے جنہوں نے اسلامی علوم کی ترویج اور اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا اور لادینیت کی یلغار کے آگے بند باندھا اور بدعات کا خاتمہ کیا۔

iii- عملی فنون کی تعلیم

دارالعلوم دیوبند میں صرف مذہبی تعلیم ہی نہیں دی جاتی تھی بلکہ لوگوں کو روزگار کے قابل بنانے کے لیے دیوبند میں مختلف فنون کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔جس میں طب کی تعلیم خاص طور پر اہم ہے۔اس کے علاوہ خطاطی، جلد سازی اور کپڑا بننے کی مہارتیں سکھانے پر بھی توجہ دی گئی۔جس سے دارالعلوم کے پروگرام کی ہمہ گیری اور معاشی ضروریات سے ہم آہنگی کا رجحان سامنے آتا ہے۔

iv- مالی وانتظامی پہلو

دارالعلوم دیوبند بنیادی طور پر ایک خودمختار ادارے کی حیثیت سے قائم ہوا تھا تا کہ حکومت مالی امداد کو دباؤ کے حربے کے طور پر استعمال نہ کر سکے۔اس لیے دیوبند نے اپنی داخلی آزادی کی خاطر حکومت سے مکمل لاتعلقی اختیار کی اور فیصلہ کیا کہ حکومت سے مالی مدد نہیں لی جائے گی۔چندے کے لیے عام لوگوں سے رجوع کرنے سے دارالعلوم کا تعارف وسیع ہوا۔دارالعلوم کے طلبہ اور اساتذہ کی سادہ زندگی گزارنے کے انداز نے انہیں عوام سے قریب تر کر دیا اور یوں باہمی رابطوں اور تعلقات میں اضافہ ہوا اور تربیت عامہ کے مواقع پیدا ہوئے۔دارالعلوم کے انتظامی معاملات میں اسلام کے جمہوری اصول مشاورت کو اختیار کیا گیا۔جس کے مطابق دارالعلوم کا مہتمم شوریٰ کے فیصلوں کے مطابق انتظام وانصرام کے فرائض انجام دیتا تھا۔

v- جذبۂ حریت

اکابرین دیوبند کے سرفروشانہ جذبے کی وجہ سے آزادی وحریت کا رجحان تحریک دیوبند کے مزاج میں ہمیشہ سے شامل رہا۔ ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں دیوبند کے علماء نے اہم کردار ادا کیا جن میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا محمود الحسنؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نام نمایاں ہیں۔

vi- تعمیر کردار

علما اور اکابرین دیوبند نے اصلاح اخلاق اور تعمیر کردار کے میدان میں بھی بہت کام کیا چنانچہ علم وفضل اور درس وتدریس کے ساتھ ساتھ دیوبند میں تقویٰ کی ایک فضا ہمیشہ قائم رہی جس سے مثالی کردار کے لوگ سامنے آئے۔

vii- دیگر تعلیمی ادارے

دار العلوم دیوبند کی اسلامی تعلیمات کے تحفظ اور فروغ میں کامیابی کے باعث ایسے ہی بہت سے اور ادارے قائم ہوئے جن میں مظاہر العلوم سہارن پور، مدرسہ فیض عام کانپور، مدرسہ اشرفیہ مراد آباد جیسے مدارس شامل ہیں۔ آج بھی دینی تعلیم کے بیشتر مدارس دیوبند کی تحریک سے براہ راست یا بالواسطہ متاثر ہیں۔ اس طرح دینی مدارس کا ایک باقاعدہ نظام قائم ہوا جس سے مسلمانوں کے قومی نظام تعلیم کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا۔

viii- تصنیفی خدمات

درس وتدریس اور اسلامی تعلیمات کی تبلیغ وتعلیم کے ساتھ ساتھ علمائے دیوبند نے اسلام اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں تحقیقی اور تصنیفی خدمات سرانجام دیں جو ان علماء کا بے مثال کارنامہ ہیں۔ تفسیر وحدیث، فقہ، تصوف، عربی زبان وادب اور تاریخ وسیرت کے متعلق علمائے دیوبند نے ایسا اور لازوال تحقیقی کام کیا۔ مصنفین میں مولانا محمود الحسنؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا محمد الیاسؒ کے نام نمایاں ہیں۔

تحریک دیوبند پر تبصرہ

تحریک دیوبند بنیادی طور پر مذہبی تحریک تھی۔ اس لیے دین کے حوالے سے مذہبی علوم اور اسلامی اقدار کے تحفظ میں اس کو کامیابی ملی۔ برصغیر پاک وہند کے بے شمار علما نے اس ادارے سے فیض حاصل کیا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ دیوبند کے نصاب میں اس وقت کے تمام اسلامی مکتبہ ہائے فکر اور معروف تعلیمی اداروں کے نصابات کی بنیادی باتوں، روایات واقدار اور خصوصیات کو سمونے کی کوشش کی گئی جو اگرچہ ایک حد تک کامیاب رہی لیکن اس سے دیوبند کا نصاب غیر ضروری طور پر بوجھل ہوگیا۔

تحریک دیوبند نے مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہندوانہ رسوم ورواجات اور مختلف بدعات کو ختم کرنے میں تو نمایاں کردار ادا کیا لیکن یہ وقت کی ضروریات اور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کا ساتھ نہ دے پائی۔ عصری علوم جن میں خصوصاً انگریزی اور سائنس کے علوم شامل تھے، تحریک کا حصہ نہ بنائے گئے جس کے باعث اُسی کا نصاب عملی زندگی کے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکا۔ فارسی جو دیوبند کے نصاب میں بلند مقام رکھتی تھی اب سرکاری ملازمتوں کی راہ میں رکاوٹ تھی کیونکہ اب وہ سرکاری زبان نہ رہی تھی اور ملازمتوں کے لیے مغربی اور سائنسی علوم پڑھنے والے لوگ درکار تھے۔

دیوبند میں علمی آزادی، فلسفہ اور منطق جیسے مضامین پر بہت زیادہ زور دیا گیا جس کے باعث بحث ومباحثہ کی فضا پیدا ہوئی جو بعدازاں مناظروں کی صورت اختیار کر گئی اور اختلافات کا باعث بنی۔ ایک طرف تو دیوبند جیسے مدارس میں جدید تعلیم کی حوصلہ افزائی نہ کی گئی تو دوسری طرف جدید تعلیم کے اداروں نے دینی تعلیم سے قطع تعلق کیے رکھا۔ اس طرح دینی اور دنیاوی تعلیم دو علیحدہ علیحدہ خانوں میں بٹ گئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ فاصلہ بڑھتا گیا جس کے باعث اسلامی تعلیمات کی جامعیت کا تصور مجروح ہوا لیکن بدقسمتی سے دینی اور دنیاوی تعلیم کا یہ تصور آج تک ہمارے معاشرے کا حصہ ہے اور سرکاری تعلیمی اداروں اور دینی مدارس کی صورت میں نظر آتا ہے۔

تحریک دیوبند جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا اسلامی ورثے کے تحفظ اور مسلمانوں کے الگ قومی تشخص کو برقرار رکھنے میں کامیاب رہی لیکن مسلمانوں پر مغرب اور مغربی علوم کی یلغار کو موثر طور پر روکنے میں ناکام رہی۔ جدید تعلیم اور سائنسی علوم کی بلا جواز مخالفت کے باعث تحریک دیوبند کو بہت سے مسلمانوں کی مخالفت کا سامنا بھی رہا جو دونوں علوم میں تعاون اور اعتدال کی فضا چاہتے تھے۔ وہ مسلمان رہتے ہوئے اور اسلامی ورثہ کو ساتھ لے کر چلتے ہوئے جدید علوم بھی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان کے خیال میں علم کے بارے میں اسلام کی جامعیت سے یہی تصور سامنے آتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ سرسید احمد خاں کی تحریک علی گڑھ کو لوگوں میں قبول عام کا درجہ حاصل ہوا کیونکہ وہ دین و دنیا میں دُوری کے تصور کے قائل نہ تھے۔

تحریک علی گڑھ

پس منظر

1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریز سارے ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بجائے برطانوی حکومت نے براہ راست ہندوستان کا کنٹرول سنبھال لیا۔ مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کو معزول کر کے انہوں نے برصغیر میں مسلمانوں کی سات سوسالہ حکمرانی کا خاتمہ کر دیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ دور بہت کٹھن تھا۔ انگریزوں نے چونکہ مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی اور ان کے خیال میں 1857ء کی جنگ آزادی کے سب سے زیادہ ذمہ دار مسلمان تھے اس لیے سب سے زیادہ مظالم اور مشکلات کا سامنا بھی مسلمانوں کو ہی کرنا پڑا۔ فارسی کا بطور سرکاری زبان خاتمہ کر دیا گیا۔ ان کے سکول اور مدارس بند اور اوقاف ضبط کر لیے گئے یہاں تک کہ ذاتی جائیدادیں بھی چھین لی گئیں۔ ان سے توہین آمیز سلوک کیا گیا اور کئی مسلمانوں کو کالے پانی (جزائر انڈمان) بھیج دیا گیا۔

انگریزوں نے ہندوستان میں اپنا نظام تعلیم جاری کیا۔ ہندو جو پہلے مسلمان حکمرانوں کی رعایا کے طور پر زندگی گذار رہے تھے، اب انگریزوں کی غلامی کو قبول کر چکے تھے۔ ان کے لیے حکمرانوں کی تبدیلی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ انہوں نے ہوا کا رخ دیکھتے ہوئے اپنی وفاداریاں انگریزوں سے جوڑ لی تھیں جب کہ مسلمان ذہنی طور پر اس غلامی کے لیے تیار نہ تھے۔ یہی وہ بڑا سبب تھا کہ مسلمان تعلیمی لحاظ سے انتہائی پسماندہ تھے۔ ان کے تعلیمی نظام کو مفلوج کر دیا گیا تھا۔ انگریزی نظام تعلیم ان کی روایات کے منافی تھا۔ 1862ء میں انگریزی سکولوں میں مسلمان طلبہ کی تعداد دس فیصد تھی۔ گورنمنٹ کالج ہگلی میں چار سو طلبہ میں سے صرف چار مسلمان تھے۔ کلکتہ، مدراس اور بمبئی کی یونیورسٹیاں جو 1856ء میں قائم ہوئیں تھیں، 1875ء تک ان کے 846 گریجویٹوں میں صرف سترہ مسلمان تھے۔ سرسید احمد خانؒ نے 1877ء میں گذشتہ بیس سال کے اعداد وشمار اکٹھے کیے تو معلوم ہوا کہ یونیورسٹی گریجوایٹ اور اعلیٰ ڈگریوں کے مالک 3155 ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد صرف 57 تھی۔ 1852ء تک کلکتہ ہائی کورٹ نے

240 ہندوستانیوں کو وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت دی جن میں سے صرف ایک مسلمان تھا۔ تعلیمی لحاظ سے سندھ بہت زیادہ پس ماندہ تھا، 1900ء تک سارے صوبے میں صرف تین سرکاری ہائی سکول تھے۔ قیام پاکستان تک وہاں کوئی سرکاری کالج نہ تھا البتہ حیدر آباد اور میر پور خاص میں ہندوؤں کے کالج موجود تھے۔ الغرض جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، اقتصادی اور تعلیمی حالت انتہائی خراب ہوگئی۔ ہندو پڑھ کر ترقی کر چکے تھے جب کہ مسلمان مالی طور پر محتاج اور تعلیمی لحاظ سے پس ماندہ ہو گئے۔

وہ اپنے بچوں کو سرکاری سکولوں میں تعلیم کیلئے بھیجنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ملازمتیں چونکہ سرکاری تعلیم حاصل کرنے والے لوگوں کے لیے تھیں۔ اس لیے ہندوؤں نے انگریزی نظام تعلیم کو اپنالیا اور ملازمتوں پر قابض ہو گئے۔ اس ساری صورت حال میں مسلمان تعلیمی، معاشی اور معاشرتی طور پر ہندوؤں سے بہت پیچھے رہ گئے۔ دُور بین اور حساس سوچ رکھنے والے مسلمان اس ساری صورت حال سے خوش نہ تھے۔ یہ وہ حالات تھے جن سے سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے تحریک شروع کی تاکہ مسلمانوں کے جمود کو توڑا جاسکے اور تعلیم کے ذریعے وہ دوبارہ سے ایک باوقار اور منظم قوم کا مقام حاصل کرسکیں، اگرچہ سرسید نے مراد آباد اور غازی پور میں بھی مسلمانوں کی تعلیم کے لیے مدارس قائم کیے تھے لیکن علی گڑھ میں قائم ہونے والا مدرسہ ترقی کرتے ہوئے ایک تحریک کی شکل اختیار کرگیا۔ اس لیے سرسید کی اس تعلیمی تحریک کا نام ہی تحریک علی گڑھ پڑ گیا۔

تحریک علی گڑھ کے مقاصد

تحریک علی گڑھ کے مقاصد درجہ ذیل ہیں:۔

i- مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان پائی جانے والی غلط فہمیوں اور اختلافی صورت حال کو ختم کرکے باہمی اعتماد اور خیر سگالی کے جذبات کو فروغ دینا۔

ii- دینی اور دنیاوی تعلیم میں تفریق ختم کرنا اور قومی اور دینی تقاضوں سے ہم آہنگ جدید طرز معاشرت کو اپنانا۔

iii- مسلمانوں کو تعلیم خصوصاً جدید تعلیم کی طرف راغب کرنا اور سرکاری ملازمتوں کے حصول کے قابل بنانا۔

iv- مسلمانوں کی تعلیمی حالت میں بہتری لا کران کو معاشی اور معاشرتی طور پر مستحکم کرنا۔

v- مسلمانوں میں توہم پرستی ختم کرکے سائنسی اندازِ فکر پیدا کرنا اور جدید علوم سے استفادے کے قابل بنانا۔

vi- مسلمانوں میں عظمت رفتہ کا احساس اُجاگر کرنا اور بحیثیت مسلمان قومی اور ملی تشخص کے احساسات پیدا کرنا۔

vii- اسلام کے تصور کو فروغ دینا، روایتی اور جدید تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کرنا اور اس کا زندگی کے عملی مسائل سے ربط پیدا کرنا۔

viii- مسلمانوں کو کاروبار، ملازمتوں اور تعلیم کے لیے رہنمائی فراہم کرنا۔

سرسید احمد خاں کی تعلیمی خدمات

i- سائنٹیفک سوسائٹی

مسلمانوں کو جدید علوم سے آگاہ کرنے کے لئے سرسید احمد خان نے غازی پور ہی میں 1864ء میں ایک اور ادارے کی بنیاد رکھی جس کا نام سائنٹیفک سوسائٹی رکھا گیا۔ اس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ مستند انگریزی کتب کا اُردو ترجمہ شائع کیا جائے تاکہ جن لوگوں کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ یورپ کی علمی ترقی سے واقف ہوسکیں۔ دوسرے یہ کہ سوسائٹی ایسا مرکز بن جائے جہاں انگریز اور مقامی لوگ جمع ہوکر مشترکہ مفادات کے بارے میں تبادلہ خیالات کریں۔

اس سوسائٹی نے چند برس کے عرصہ میں بہت سی انگریزی کتابوں کا ترجمہ شائع کیا جس میں تاریخ، اقتصادیات، زراعت اور کیمیا کی کتب شامل تھیں۔ ترجمے اس قدر سلیس اور بامحاورہ تھے کہ پڑھنے والے کو یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ کتاب کا ترجمہ پڑھ رہا ہے۔ سرسید کے تبادلے کے ساتھ سوسائٹی بھی علی گڑھ منتقل ہوگئی جہاں انہوں نے اس کے لیے مستقل عمارت تعمیر کرائی۔ اس کے اجلاس مہینے میں دوبار ہوتے تھے جن میں ذی علم لوگ مختلف موضوعات پر بحث کرتے اور مقالے پڑھتے تھے۔

ii- علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ

علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سائنٹیفک سوسائٹی کے زیر اہتمام 13 مارچ 1866ء سے ایک ہفت روزہ اخبار نکلنا شروع ہوا جو علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کہلایا۔ یہ اخبار کچھ عرصہ بعد سہ روزہ ہوگیا۔ اس کے دو بڑے مقاصد میں انگریزوں کو ہندوستانی باشندوں کے احساسات سے آگاہ کرنا اور ہندوستانیوں کو برطانوی نظام حکومت سے روشناس کرانا شامل تھا۔

اس اخبار کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس کا ایک صفحہ انگریزی اور دوسرا اُردو میں ہوتا تھا جن سے انگریزی اور اردو سمجھنے والے دونوں طبقے مستفید ہوتے تھے۔ اس میں معاشرتی، اخلاقی، سیاسی اور علمی مضامین شائع کئے جاتے تھے۔ ابتداء میں زیادہ تر سرسید کے وہ مضامین شامل تھے جو وہ سوسائٹی میں بطور لیکچر پیش کرتے تھے۔ یہ اخبار ہمیشہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ ہر خبر مستند ذرائع سے دی جاتی تھی۔ اس نے مقامی صحافت میں بڑا مقام پیدا کیا اور شائستگی کو ہمیشہ اپنا شعار رکھا۔

iii- علی گڑھ کالج

سرسید احمد خان نے انگلستان کے مختصر قیام کے دوران وہاں کے نظام تعلیم کا بغور مطالعہ کیا۔ ان کو یہ بات خاص طور پر پسند آئی کہ وہاں طالب علموں کو نہ صرف علم سکھایا جاتا ہے بلکہ مہذب زندگی بسر کرنے کے اصول ذہن نشین کرا کر ان کی کردار سازی بھی کی جاتی ہے۔ پس سرسید نے فیصلہ کیا کہ اسی طرز پر برصغیر میں مسلمانوں کے لئے ایک اقامتی درس گاہ قائم کی جائے۔

سرسید احمد خان نے ایک جدید اسلامی درسگاہ کا خاکہ پیش کیا۔ اس کا نام محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (ایم اے او کالج) تجویز کیا گیا۔ یہ ادارہ 24 مئی 1875ء کو علی گڑھ میں ایم۔ اے۔ او ہائی سکول کی صورت میں قائم ہوا اور دو برس بعد ہی 1877ء میں ایم اے او کالج کے طور پر کام کرنے لگا۔

علی گڑھ کالج بہت سی خصوصیات کا حامل تھا۔ اس کی عمارتیں بڑی شاندار تھیں جو مشرقی اور مغربی فن تعمیر کا حسین امتزاج تھیں۔ طلبہ اور اساتذہ کے درمیان مسلسل رابطہ رہتا تھا۔ اس کالج کی بدولت مسلمان زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کرنے لگے۔ علی گڑھ محض تعلیمی ادارہ نہیں تھا بلکہ ایک عظیم تحریک کا مظہر تھا جس نے مسلمانوں کی زندگی کے سماجی، معاشی، سیاسی، ادبی اور مذہبی پہلوؤں کو براہ راست متاثر کیا۔

سرسید کی دلی تمنا تھی کہ کالج جلد از جلد ایک خودمختار یونیورسٹی کی شکل اختیار کرلے مگر حکومت اس راہ میں مزاحم تھی۔ 1894ء میں سرسید نے فرمایا: "دوستو ہماری تعلیم اس وقت مکمل ہوگی جب یہ تعلیم خود ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ یونیورسٹیوں کی غلامی سے نجات ملے گی۔ ہم آپ اپنی تعلیم کے مالک ہوں گے۔ فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہوگا اور نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا تاج سر پر ہوگا"۔

iv- تعلیمی کمیٹی

انگلستان سے واپسی کے بعد سرسید نے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا تا کہ مسلمانوں کو تعصبات کے خول سے نکالا جائے۔ انہوں نے دسمبر 1870ء میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے بنارس میں ایک تعلیمی کمیٹی قائم کی جس نے برِ صغیر کے مسلم مفکرین اور ماہرین تعلیم کو تعلیمی مسائل پر لکھنے کی دعوت دی۔

v- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس

سرسید احمد خان کا ایک خواب علی گڑھ کالج کی شکل میں پورا ہو چکا تھا مگر وہ کروڑوں فرزندان توحید کی تعلیمی ضروریات پوری کرنے سے قاصر تھا۔ سرسید چاہتے تھے کہ برصغیر کے تمام مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا مناسب انتظام ہو۔ اس غرض سے انہوں نے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی داغ بیل ڈالی جس کا پہلا اجلاس 17 دسمبر 1886ء کو ہوا۔ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس خالصتاً ایک غیر سیاسی تنظیم تھی لیکن مسلم لیگ کے قیام تک اس نے مسلمانوں کو سیاسی اور غیر سیاسی میدانوں میں رہنمائی فراہم کی۔ دسمبر 1906ء میں مسلم لیگ نے اسی کی کوکھ سے جنم لیا۔

تحریک علی گڑھ کے اثرات

تحریک علی گڑھ نے برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ چھوڑا جس کی بہتری اور اصلاح کی اس نے کوشش نہ کی ہو۔ اصلاح معاشرہ و معاشرت اس کے بنیادی مقاصد تھے۔ سرسید کی تعلیمی تحریک اور سیاسی نظریات نے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو یکجا کر دیا۔

تحریک علی گڑھ کے اثرات کا اجمالی جائزہ پیش ہے۔

i- مغربی تعلیم کا فروغ

تحریک علی گڑھ بنیادی طور پر ایک تعلیمی اور تمدنی تحریک تھی۔ اس کا سب سے بڑا مقصد مسلمانوں میں مغربی تعلیم کی ترویج اور ان کی معاشی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح تھا۔ سرسید اس مقصد کے حصول میں کامیاب رہے۔ علی گڑھ مسلمانوں کی تعلیم کا ایک بہت بڑا مرکز بن گیا نیز علی گڑھ کی تعلیمی تحریک سے متاثر ہو کر برصغیر کے مسلمانوں نے جگہ جگہ سکول اور کالج کھولے اور مسلمانوں کو تعلیم کی طرف رغبت دلائی۔ سرسید کی کوششوں سے تعلیم یافتہ مسلمان سرکاری ملازمتوں میں قبول کئے جانے لگے۔ اس طرح ان کی دیرینہ مشکلات کا بہت حد تک ازالہ ہوا۔

ii- انگریزوں کے ساتھ مصالحت

جنگ آزادی کے نتیجے میں مسلمانوں کی اخلاقی اور مالی حالت بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ انگریز ان کو اپنا غلام بنا کر ان کی مکمل تباہی کے خواہاں تھے۔ انھوں نے جنگ آزادی کی ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی تھی۔ سرسید احمد خاں نے اس صورت حال کا بڑے ٹھنڈے دماغ سے مقابلہ کیا۔ معاشرتی اصلاح کے میدان میں سرسید کا عظیم کارنامہ انگریزوں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی بحالی ہے "رسالہ اسباب بغاوت ہند" میں انہوں نے جس جرأت کا مظاہرہ کیا وہ کسی اور لیڈر کے حصے میں نہیں آئی۔ انہوں نے اہل مغرب کو یقین دلایا کہ انھوں نے اسلام کو غلط سمجھا ہے۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے بارے میں انگریزوں کے خیالات کو بدلنے میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے۔

iii- مسلم اتحاد

علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی اور ان کو مسائل حل کرنے کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔اس ضمن میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے بنیادی کردار ادا کیا۔علی گڑھ کالج کے طالب علم علاقائی تعصب سے پاک تھے۔ان کا دل قومی خدمت کے جذبے سے معمور تھا۔برصغیر کے ہر خطہ کا مسلمان علی گڑھ کالج کو اپنا قومی سرمایہ تصور کرتا تھا۔اس اتحاد فکر وعمل نے مسلمانوں میں یکجہتی پیدا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

iv- ذاتی کردار سازی

علی گڑھ کالج نے مسلمان طالب علموں کی کردار سازی پر بڑا زور دیا۔ان کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے علاوہ ان کے اخلاق وعادات کی تربیت کی جاتی تھی۔اس ضمن میں حفظ مراتب اور رکھ رکھاؤ کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا اور ان کو منظم زندگی بسر کرنے کا عادی بنایا جاتا تھا۔ان باتوں کا عام مسلمانوں پر بھی اثر پڑا۔اسی وجہ سے مسلمان تعلیمی اداروں میں نظم وضبط کے بارے میں علی گڑھ کالج کی پیروی کی جانے لگی۔

v- جدید قیادت

علی گڑھ نے مسلمانوں کو قیادت فراہم کی جو مسلمانوں کی بھلائی کے لیے کوشاں رہی۔اس صدی کے دوسرے عشرے میں مسلمانوں کے سیاسی نقطہ نظر میں جو انقلابی تبدیلی رونما ہوئی وہ اسی قیادت کی مرہون منت تھی۔تحریک پاکستان کے قائدین میں بھی علی گڑھ کے طلبہ ہی سرفہرست ہیں۔

vi- دین کا محدود تصور

جب سرسید احمد خان نے اپنی تعلیمی تحریک شروع کی تو ان کا عزم یہ تھا کہ فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں اور نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا تاج سر پر ہوگا۔لہٰذا انھوں نے دینیات کو ہر مسلمان طالب علم کے لیے لازمی قرار دیا۔ نماز اور روزہ کی پابندی پر سختی سے عمل کیا لیکن علی گڑھ دینی میدان میں بہت سی توقعات کو پورا نہ کرسکا۔

vii- تحریک پاکستان کا قلعہ

سرسید احمد خان کو تحریک پاکستان کا بانی کہا جاتا ہے۔ان کے کالج نے برصغیر کے مسلمانوں میں قومیت کی نئی روح پھونک دی جس سے مسلمان اتحاد پیدا ہوا اور اسی اتحاد کے سبب تحریک پاکستان وجود میں آئی جس کو پروان چڑھانے کے لئے علی گڑھ کے طلبہ نے تن من دھن کی بازی لگا دی۔سرسید احمد خان ہندو اور مسلمانوں کو بڑی قومیں تسلیم کرتے تھے اور جب آزادی ملی تو برصغیر ان ہی دو قوموں میں بٹ گیا۔اس ادارے کے طلبہ نے مسلمانوں کی آزادی کی جنگ لڑی اور فتح وکامرانی سے ہمکنار ہوئے۔

viii- اردو زبان کا فروغ

تحریک علی گڑھ سے اردو زبان کو بہت فروغ حاصل ہوا۔عربی اور فارسی کے سرکاری طور پر خاتمے کے بعد مسلمانوں میں باہمی رابطہ کی زبان اور ذریعہ تعلیم کے طور پر اردو کو بہت نمایاں مقام حاصل ہوا۔سرسید احمد خاں اور ان کے بیشتر ساتھیوں نے اپنے مضامین

اور تقاریر میں اردو کا ہی استعمال کیا۔ اس طرح اس زبان میں وسیع علمی اور ادبی ذخیرہ جمع ہو گیا۔ ہندوؤں کی مخالفت کے باعث بھی اُردو کو مسلمانوں کی زبان کا درجہ حاصل ہوتا گیا۔

ix- مسلمانوں کی معاشی خوش حالی

علی گڑھ تحریک کے شروع ہونے کا ایک سبب مسلمانوں کی معاشی بد حالی بھی تھا۔ تعلیم حاصل نہ کرنے کے باعث وہ ملازمتوں سے محروم ہو رہے تھے۔ علی گڑھ کی تحریک نے اس صورت حال کا کامیابی سے مقابلہ کیا جس کی بدولت وہ سرکاری ملازمتوں کے حصول میں کامیاب ہوئے اور مختلف کاروبار کرنے کے قابل ہو گئے۔ ملازمتوں میں کوٹے کے باعث بھی ان کی معیشت پر اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

x- تعلیمی اداروں کا قیام

تحریک علی گڑھ کو دیکھتے ہوئے پورے ہندوستان میں تعلیم اور تعلیمی اداروں کو فروغ حاصل ہوا۔ مسلمانوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مختلف تنظیمیں بنائیں۔ پنجاب میں انجمن حمایت اسلام اور انجمن اسلامیہ پنجاب، سندھ میں سندھ محمڈن ایسوسی ایشن اور انجمن اسلام بمبئی کے نام زیادہ نمایاں ہیں۔ ان تنظیموں نے ملک کے مختلف حصوں میں تعلیمی ادارے قائم کیے۔ جنھوں نے ملک میں آزادی سے پہلے اور قیام پاکستان کے بعد نمایاں تعلیمی خدمات سرانجام دیں۔

اہم نکات

1- برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے دورِ حکومت میں تعلیم عام، مفت اور بلند معیار کی تھی۔ مسلمان سیاسی، سماجی، معاشی اور تعلیمی لحاظ سے نمایاں مقام رکھتے تھے۔

2- انگریز جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکل میں تاجر کی حیثیت سے ہندوستان میں آئے تھے، 1757ء کی جنگِ پلاسی سے 1857ء کی ناکام جنگِ آزادی تک پورے برصغیر کے حکمران بن گئے۔

3- برطانوی نظام تعلیم کا مقصد حکومتِ برطانیہ کے لیے وفادار ملازمین کی فراہمی اور عیسائیت کا فروغ تھا۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے نصابِ تعلیم اور امتحانی نظام وضع کیا گیا۔

4- انگریزوں کے جاری کردہ نظام کو نہ اپنانے سے مسلمان تعلیمی اور سماجی پس ماندگی کا شکار ہو گئے۔ ان حالات نے مسلمانوں میں تعلیمی تحریکات کو جنم دیا۔

5- سرسید احمد خان کی نظر میں سب سے بڑا مقصد انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان بے اعتمادی کی فضا ختم کرنا اور اس کے لیے مسلمانوں کو جدید تعلیم کے لیے تیار کرنا تھا۔

6- تحریک دیوبند کا مقصد اسلامی عقائد کو محفوظ رکھنا اور مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرنا تھا۔

آزمائشی مشق

حصّہ معروضی:

I- مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات میں سب سے موزوں ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- برطانوی پارلیمنٹ نے مشینری کلاز کی ایک شق منظور کی جس کی رو سے کمپنی کو پابند کیا گیا کہ وہ فیکٹریوں اور بحری جہازوں پر عیسائیت کی تبلیغ کا بندوبست کرے اور سکول قائم کرے:

ا۔ 1765ء میں ب۔ 1698ء میں ج۔ 1757ء میں د۔ 1946ء میں

ii- کس کو برصغیر کے موجودہ نظامِ تعلیم کا بانی کہا جاتا ہے؟

ا۔ میکالے ب۔ رابرٹ براؤن ج۔ چارلز گرانٹ د۔ ماؤنٹ بیٹن

iii- 1866ء میں سہارن پور قصبے دیو بند میں دارالعلوم قائم کیا:

ا۔ سید احمد شہیدؒ نے ب۔ شاہ ولی اللہؒ نے ج۔ محمد قاسم نانوتویؒ نے د۔ سر سید احمد خان نے

iv- سائنٹیفک سوسائٹی کے زیرِ اہتمام 13 مارچ 1866ء سے ایک ہفت روزہ اخبار نکلنا شروع ہوا جس کا نام تھا۔

ا۔ سائنٹیفک ب۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ج۔ کامریڈ د۔ مسلم ایجوکیشنل جرنل

v- آل انڈیا مسلم لیگ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم سے وجود میں آئی:

ا۔ 1930ء میں ب۔ 1905ء میں ج۔ 1906ء میں د۔ 1940ء میں

vi- 1870ء میں بنارس میں سر سید احمد خان نے تعلیمی کمیٹی قائم کی:

ا۔ دسمبر 1870ء میں ب۔ ستمبر 1870ء میں ج۔ اکتوبر 1870ء میں د۔ نومبر 1870ء میں

II- ذیل میں چند بیانات درج ہیں۔ بیان صحیح ہونے کی صورت میں "ص" اور غلط ہونے کی صورت میں "غ" کے گرد دائرہ لگائیں۔

i- برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے قبل مسلمانوں کے دورِ حکومت میں تعلیم عام اور مفت تھی۔ ص / غ

ii- برصغیر میں مسلم دورِ حکومت میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے علیحدہ سکول قائم تھے۔ ص / غ

iii- حکومت برطانیہ نے برصغیر پاک و ہند پر 1857ء سے لے کر 1947ء تک حکومت کی۔ ص / غ

iv- برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی تعلیمی حکمت عملی پر مکمل عمل درآمد برطانوی دورِ حکومت میں ہوا۔ ص / غ

v- برصغیر پاک و ہند کے موجودہ تعلیمی نظام کے بانی کے طور پر لارڈ میکالے کا نام لیا جاتا ہے۔ ص / غ

vi- انگریزوں نے برصغیر میں ایک الحادی نظام تعلیم قائم کیا۔ ص / غ

vii- برصغیر میں برطانوی تعلیم کا اہم مقصد اپنی حکومت کے لیے وفادار ملازمین کا حصول تھا۔ ص / غ

viii- ووڈز ڈسپیچ میں عربی اور سنسکرت کی تعلیم کے فروغ کی سفارش کی گئی تھی۔ ص / غ

ix- برصغیر میں مسلمانوں کی ہر سیاسی تحریک کے پیچھے کسی نہ کسی مذہبی، نظریاتی یا تعلیمی تحریک کا ایک اہم کردار رہا ہے۔ ص / غ

x- تحریک دیوبند دراصل مسلمانوں کے اُس طبقہ کی نمائندہ تھی جس کے نزدیک مغربی افکار اور مغربی تعلیم نا قابل قبول تھی۔ ص / غ

xi- مسلمانوں کا وہ طبقہ جو حالات سے سمجھوتہ کرتے ہوئے مغربی تعلیم حاصل کر کے سیاسی آزادی کی جدوجہد کرتا رہا تحریک علی گڑھ کی نمائندگی کرتا تھا۔ ص / غ

xii- تحریک دیوبند سید احمد شہیدؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے نظریات کا ہی تسلسل تھی۔ ص / غ

III- خالی جگہ پُر کریں:

i- مشنری مبلغ ولیم آدم کے مطابق صوبہ بنگال اور بہار میں انگریزی حکومت کے آغاز کے وقت سکولوں کی تعداد تقریباً.................. تھی۔

ii- ایسٹ انڈیا کمپنی..................ء میں جنگِ پلاسی کے بعد ایک حکمران طاقت بن کر اُبھری۔

iii- 1813ء کا..................ہندوستان میں انگریزی نظامِ تعلیم کے لیے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

iv- 1823ء میں..................نے فیصلہ کیا کہ کمپنی کی طرف سے مخصوص رقم کا کچھ حصہ مشرقی علوم کی تعلیم پر خرچ کیا جائے۔

v- برطانوی نصاب تعلیم میں انگریزی کو..................جماعت سے بی۔ اے تک لازمی زبان کی حیثیت حاصل تھی۔

vi- دیوبند دارالعلوم کے قیام کا بنیادی مقصد..................کا تحفظ تھا۔

vii- 1852ء میں کلکتہ ہائی کورٹ کی طرف سے دوسو چالیس ہندوستانیوں کو وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت ملی جس میں مسلمانوں کی تعداد..................تھی۔

viii- سرسید احمد خان نے غازی پور میں 1864ء کو ایک ادارے کی بنیاد رکھی جس کا نام..................رکھا گیا۔

IV- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں:

i- برصغیر میں تعلیمی تبدیلیوں کے چار اَدوار بیان کریں۔

ii- 1813ء کے چارٹر ایکٹ کی نمایاں دفعات لکھیں۔

iii- 1882ء میں سر ولیم ہنٹر کی سربراہی میں قائم ہونے والے انڈین ایجوکیشن کمیشن کی سفارشات بیان کریں۔

iv- 1905ء سے لے کر 1917ء تک کے اہم تعلیمی واقعات کی فہرست بنائیں۔

v- برصغیر میں برطانوی نظام تعلیم کے مقاصد بیان کریں۔

vi- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے مقاصد لکھیں۔

vii- تحریک علی گڑھ کی کوئی چار علمی خدمات بیان کریں۔

viii- جنوبی ایشیاء میں مسلمانوں کی تعلیمی تحریکات کی فہرست بنائیں۔

ix- ایسٹ انڈیا کمپنی کی تعلیمی پالیسی سے کیا نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

V- درج ذیل میں کالم (ا) اور کالم (ب) میں درج الفاظ میں باہمی تعلق معلوم کر کے کالم (ب) کے سامنے کالم (ج) میں مطلوبہ الفاظ درج کریں۔

کالم (ا)	کالم (ب)	کالم (ج)
1- پنجاب یونیورسٹی قائم ہوئی۔	1- 1813ء کا ایکٹ۔	
2- ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی۔	2- چارلز گرانٹ	
3- انگریزی نظام تعلیم کے لیے سنگ بنیاد ہے۔	3- 1882ء	
4- جنوبی ایشیا میں تعلیمی پالیسی کا بانی	4- 1841ء	
5- تعلیم عامہ کمیٹی ختم کر دی۔	5- مغربی علوم کا فروغ	
6- سرکاری تعلیم کا مقصد	6- 1836ء	
7- تحریک دیوبند کے مدرسے کا آغاز کیا	7- 7 مارچ 1835ء	
8- 1866ء میں سائنٹیفک سوسائٹی کے زیر اہتمام ہفت روزہ اخبار شائع ہوا۔	8- 17 دسمبر 1886ء	
9- ہگلی کالج کلکتہ اور میڈیکل کالج کلکتہ کا قیام عمل میں آیا	9- مولانا محمد قاسم نانوتویؒ	
10- محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی داغ بیل ڈالی۔	10- ہندوستانیوں کے لیے ایک لاکھ روپے کی رقم مختص کی جائے گی۔	

حصہ انشائیہ

VI- انگریزوں کی آمد کے وقت برصغیر کی تعلیمی حالت پر بحث کریں۔

VII- 1854ء تا 1905ء کے دور میں تعلیمی پالیسی پر روشنی ڈالیں۔

VIII- برصغیر میں برطانوی نظام تعلیم کی طرف سے تجویز کردہ نصاب تعلیم پر روشنی ڈالیں۔

IX- تحریک دیوبند پر مفصل نوٹ تحریر کریں۔

X- تحریک علی گڑھ کے اسباب اور علمی خدمات کا جائزہ پیش کریں۔

XI- برصغیر میں رائج کردہ برطانوی نظام تعلیم کے مقاصد بیان کریں۔

XII- تحریک علی گڑھ کے برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی پر اثرات کے بارے میں بحث کریں۔

XIII- ایسٹ انڈیا کمپنی کی تعلیمی پالیسی بیان کریں۔